ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.٦,Issue No.١(٢٠٢٤)
(January to March)

خیبر پختون خوا کی اُردو آپ بیتیوں میں سانحہ مشرقی پاکستان کے سیاسی و سماجی تجزیات

Political and social analysis of the tragedy of Khyber Pakhtunkhwa Urdu-Aap Baits in East Pakistan

اختر گل

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ لسانیات وادبیات (اُردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور کیمپس، پاکستان

ڈاکٹر تحسین بی بی

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ لسانیات وادبیات (اُردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور کیمپس، پاکستان

ڈاکٹر رئیس احمد مغل

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، نوشہرہ، خیبر پختون خوا، پاکستان

Akhtar Gul
Doctoral Candidate, Department of Urdu, Qurtuba University of Science & Technology, Peshawar
Dr. Tahseen Bibi
Associate Professor, Department of Urdu, Qurtuba University of Science & Technology, Peshawar.
Dr. Raees Ahmad Mughal
Associate Professor of Urdu, Govt,Post Graduate College, Nowshera,KP, Pakistan

Abstract:
The fall of Dhaka and creation of Bangladesh in 1971 was a massive tragedy, disbelief and anguish for the nation. Urdu literature in Pakistan had intensively documented emotions, shock and personal analysis of the catastrophe. Autobiographies due to its creative yet nonfictional expression has wider space to document social and political events. This short article is an effort to identify and discern the views expressed over this political event in Urdu autobiographies written in Khyber Pakhtunkhwa, the north-western border province of Pakistan. Through content analysis of Thirteen biographies, the results shows that writers presented well informed yet diverse opinions over causes and factors of that national tragedy, with personal and original analysis to identify the individuals and institutions responsible for this tragic episode. These first-hand experiences largely in agreement with analysis of the question found in historic, journalistic and war analysis write-ups.

Keywords: Bangladesh, Urdu literature, Autobiographies, nonfictional, political events, autobiographies, institutions, journalistic

ادب اپنی نہاد میں شخصی خیالات اور جذباتی کیفیات کے ایسے اظہار کا نام ہے جو قاری کی حس جمال کی تسکین کا باعث ہو۔ تاہم یہ لازمی امر ہے کہ ادیب کے شخصی خیالات خارجی تعاملات کا بھی نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے بیشتر ادبی تحریروں میں شخصی حالات

اور خیالات کے علاوہ اپنے عہد کی روداد بھی رقم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بالخصوص آپ بیتی ایسی صنف ہے جو ذاتی زندگی کے اہم حالات وواقعات کے بیان میں اپنے زمانے کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی عناصر کا مرقع بن جاتی ہے۔ پاکستان میں مشرقی پاکستان کی مغربی پاکستان سے علیٰحدگی اور خونی واقعات پوری قوم کے لیے ایک سانحہ، غیر متوقع صدمہ اور دل خراش واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ قوم جسے ذرائع ابلاغ اور ریاست کے ہر ادارے سے یہی خبر دی جارہی تھی کہ مشرقی پاکستان میں محض چند شر پسندوں کی کارروائی جاری ہے، جب اچانک وطن ٹوٹنے کے سانحے سے دوچار ہوئی تو عصری تحاریر اور اس کے بعد سے اب تک پاکستان میں اردو ادب میں اس واقعہ پر احساسات، جذبات اور تجزیات لکھے جانے کا سلسلہ جاری ہے۔ اتنے بڑے دل خراش واقعے سے پاکستانی ادب اور ادیب کا متاثر ہونا فطری امر ہے لہٰذا تاریخ کے ساتھ ساتھ ادبی تحریروں میں بھی اس کے متعلق مختلف خیالات اور تجزیات پائے جاتے ہیں جو معاصر دستاویز کی حیثیت سے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔ تاہم اس حوالے سے ابھی معروضی مطالعات بہت کم سامنے آئے ہیں۔ اس مقالہ میں، پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا سے تعلق رکھنے والے افراد کی آپ بیتیوں میں، اس سانحہ پر درج جذبات، احساسات اور تجزیات کے مطالعہ کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلامیان ہند کی طویل جدوجہد اور لازوال قربانیوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والے مملکت خداداد کا چند ہی سال بعد اپنوں کے ہاتھوں یوں دولخت ہونا سیاسیات اور سماجیات کے معروضی اصولوں سے سمجھنا لازم ہے۔ معروضی مطالعہ کے لیے بنیادی شرط زیادہ سے زیادہ متعلقہ مواد کی فراہمی ہے لیکن معلومات کے اخفا اور ابہام کے باعث نصف صدی گزرنے کے باوجود اس سانحے کی وجوہات اور ذمہ داران کا درست تعین ایک معما ہے۔ اسے غیروں کی کامیاب سازش، بنگالیوں کی قوم پرستی، مغربی پاکستان کے افراد اور اداروں کا متکبرانہ اور عصبیت پر مشتمل رویہ اور اس کے ساتھ ساتھ سرد جنگ کے بڑے منظر نامے کو مختلف ماہرین بنیادی وجوہات کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بنیادی مآخذ کی اس کمی میں اس سانحے پر ایک قیمتی ذریعہ معلومات اردو ادب میں لکھی جانے والی غیر افسانوی تحاریر ہیں جسے متبادل تاریخ یا متبادل ماخذ کے طور پر علمی تجزیات میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ پاکستانی ادیبوں کی تحاریر سے، دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی پڑتال ممکن ہے اور یوں اس بڑے واقعے کی بہتر تفہیم کا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس غرض سے خیبر پختونخوا میں اردو آپ بیتیوں میں اس سانحے کے پیش منظر اور پس منظر پر دستیاب مواد کا ذیل میں تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

برصغیر کی تحریک آزادی میں بنگالی مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانیاں ایک اٹل حقیقت ہے۔ ڈاکٹر محمد شفیق اس بابت لکھتے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام اور قرارداد پاکستان سمیت تحریک آزادی کے ہر مرحلے پر بنگالی مسلمان سب سے زیادہ متحرک تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی ان کا جذبہ حب الوطنی مثالی تھا۔ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں اور بنگالی قوم سے امتیازی سلوک کے باعث بانی بنگلہ دیش بننے والے شیخ مجیب کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اس زمانے میں ایک نوجوان تھے۔ وہ قائداعظم سے اتنی محبت کرتے تھے کہ کلکتہ سے دہلی تک کا سفر انھوں نے سائیکل پر سوار ہو کر طے کیا صرف قائداعظم کے دیدار اور درشن کے لئے۔"(۱)

ڈھاکہ یونیورسٹی میں دو سال بطور ڈرل انسٹرکٹر گزارنے والے تاج اکبر آفریدی کے خیال میں بنگالی عوام پاکستان اور پاکستانی فوج سے حد درجہ پیار کرتے تھے لیکن حکمرانوں کے غلط اور غلیظ رویوں نے انہیں بغاوت پر مجبور کیا۔(۲) آزادی کے بعد مشرقی پاکستان کو وہ حیثیت نہ دی گئی جو ان کا جائز حق تھا۔ آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہونے کے باوجود بنگالیوں کے جائز حقوق میں حیل وحجت اور سرد مہری سے ان میں احساس محرومی اور مغربی پاکستان کے حکمران طبقے سے نفرت پیدا ہونا فطری امر تھا۔ ابتدا ہی سے غذائی

قلت، اقتصادی بدحالی، اختیار واقتدار پر مغربی حصے کی گرفت، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہ ہونے اور صرف اردو کو قومی زبان کا درجہ دینے پر اصرار جیسے امور نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ بشیر احمد کے خیال میں مشرقی پاکستان کی علاحدگی کی ایک بڑی وجہ دونوں بازوئوں کے درمیان واضح اقتصادی اور معاشی تضاد تھا جو عام لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ ایک طرف یہ معاشی تفاوت بنگالیوں کی احساس کمتری کا باعث بنی تو دوسری طرف حکومت زبان کے مسئلے پر بنگالیوں کے جذبات کا صحیح ادراک نہ کر سکی، اس طرح ملک کے دونوں حصوں کے عوام کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔ (۳)

پاکستان کے دونوں بازوؤں میں جغرافیائی مسافت کے علاوہ نسلی، لسانی، سماجی اور ثقافتی اعتبار سے کافی تضاد تھا۔ مذہب، اسلامی بھائی چارہ اور مشترکہ جدوجہد آزادی کے علاوہ دونوں خطوں میں کوئی قدر مشترک نہیں تھی۔ ایسے میں ان بے جوڑ ٹکڑوں کو جوڑے رکھنے کے لیے جس غیر معمولی فہم وفراست اور سیاسی بصیرت کی ضرورت تھی، بدقسمتی سے اس وقت کے حکمران اس سے عاری تھے۔ ظہور احمد اعوان اپنی آپ بیتی "کاظم علی جوان" میں قیام بنگلہ دیش یحیٰ خان کی حماقتوں اور بھٹو کی شعوری بے بصیرتی کا نتیجہ قرار دیتے ہے جبکہ بشیر احمد اپنے مقالے "اردو نثر پر سقوط ڈھاکہ کے اثرات" میں اسے سیاسی، معاشی اور لسانی اختلافات کے ساتھ ساتھ ارباب اقتدار کی نااہلیوں اور حماقتوں کی کارستانی بتاتے ہیں۔ میجر عاشور خان بطور چشم دید گواہ لکھتے ہیں:

> "مغربی پاکستان میں ہماری قومی قیادت میں وژن کی کمی تھی اور ان میں ساز گار حالات پیدا کرنے کی دلچسپی اور صلاحیت موجود ہی نہیں تھی۔ یہ قیادت حقائق سے آنکھیں چرائے بے حس بیٹھی رہی۔" (۴)

معمولی اختلافات تو روز اول سے موجود تھے تاہم نفرت کی اس آگ سے دھواں اس وقت اٹھنے لگا جب بنگالی بھائیوں کی توقع اور مطالبے کے باوجود صرف اردو کو قومی زبان اور انگریزی کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ اپنے بھائیوں کے جذبات کے صحیح ادراک کے بجائے بنگلہ کو قومی زبان کا درجہ دینے کے مطالبے کو رد کرنے سے معمولی لسانی اختلاف نے لسانی عصبیت اور تحریک کی شکل اختیار کی۔ اس دوران ہونے والے پر تشدد مظاہروں، خون ریز واقعات اور حکمرانوں کی بے تدبیری نے دونوں حصوں کے درمیان نفرت کے بیج بو دیے اور مشرقی پاکستان والے اردو کے بجائے بنگلہ زبان استعمال کرنے پر اڑ گئے۔ اس بابت الطاف حسین شاہ مشرقی پاکستان کے مطالعاتی دورے کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم نے ڈھاکہ میں ہر سائن بورڈ بنگلہ زبان میں پایا۔ البتہ ایک چھوٹے سے بالاخانے پر ایک معمولی سی تختی آویزاں تھی جس پر "انجمن ترقی اردو" کے الفاظ درج تھے۔ پیغام واضح تھا:

> "اقبال کے دیس میں تم نے صرف گیسوئے اردو دراز کرنے کی کوشش کی ہے یا پھر اپنے سابقہ آقاؤں کی زبان انگریزی پر زور دیا ہے لہٰذا ٹیگور اور نذرالاسلام کی سرزمین پر صرف بنگلہ چلے گی۔" (۵)

سقوط ڈھاکہ کے عوامل میں معاشی عدم مساوات کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ مغربی پاکستان کی نسبت مشرقی بازو میں غربت کا دور دورہ تھا۔ عوام کی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے صدیق سالک لکھتے ہے کہ بنگالی عورتوں کے پاس ستر پوشی کے لیے چند چیتھڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ مرد اتنے فاقہ زدہ تھے:

"ان کی سیاہ جلد میں منڈھی ہوئی پسلیاں چلتی گاڑی سے بھی گنی جاسکتی تھیں۔۔۔راستے میں ہم جہاں جہاں رکے، بھک منگوں کے غول کے غول مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ بنگال کا عام غریب آدمی مغربی پاکستان کے انتہائی غریب آدمی سے بھی غریب تر ہے۔ مجھے مشرقی پاکستان کی معاشی بدحالی کے بارے میں سنی ہوئی باتوں میں وزن نظر آنے لگا۔"(۶)

اقتصادی لحاظ سے مشرقی پاکستان کی معاشی حالت مغربی پاکستان کے مقابلے میں پتلی تھی۔ بنگالی یہاں آتے تو انہیں اس معاشی ناہمواری کا شدت سے احساس ہوتا۔ بیشتر بنگالی اپنی پس ماندگی کا ذمہ دار مغربی پاکستان کو گردانتے اور سرعام اسلام آباد کی سڑکوں سے پٹ سن کی بو آنے اور یہاں کی عمارتوں کو اپنے حصے کی دھن دولت کا کرشمہ قرار دیتے۔ نثار عزیز بٹ کے مطابق مشرقی پاکستان میں یہ تاثر عام تھا کہ مغربی حصے کے لوگ ان کے وسائل استعمال کرکے خود خوشحال ہورہے ہیں۔ گوہر ایوب "ایوان اقتدار کے مشاہدات" صفحہ نمبر ۳۹ پر لکھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی معاشی حالت مغربی پاکستان کے عوام کی نسبت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ بنگالیوں کو یہاں آکر اس معاشی عدم مساوات کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔ ڈاکٹر محمد شفیق لکھتے ہیں کہ ہم تھرڈ ائیر میں تھے کہ بنگال سے میڈیکل کے کچھ طلبا ملتان آئے۔ انہیں نشتر میڈیکل کالج کے مختلف ڈپارٹمنٹس کے ساتھ فارماکالوجی کا ایک انتہائی خوب صورت اور سلیقے سے سجایا ہوا میوزیم دکھایا گیا تو:

"ان میں سے ایک لڑکے نے کہا All our money our money یعنی اتنا خوب صورت میوزیم یا کالج بنگالیوں کی کمائی سے بنایا گیا ہے۔"(۷)

مغربی پاکستان والے اس صورت حال کی ذمہ داری بنگالیوں کے سر ڈالتے تھے۔ یہاں کی بعض شخصیات سے بنگالیوں کے نکمے پن، کاہلی اور نالائقی کے بیانات منسوب کیے جاتے ہیں۔ نثار عزیز بٹ کے مطابق حکومت کے آخری دنوں میں ڈھاکہ میں ایک اجلاس کے دوران ایوب خان جلال میں آگئے اور بنگالیوں کو خوب جھاڑ پلا کر کہا:

"آپ لوگ خود دست ہیں۔ بجٹ میں جو رقوم آپ کے لیے مختص ہوتی ہیں ان کا صحیح استعمال نہیں کرتے۔ پھر شکایت کرتے ہیں کہ مغربی حصہ ہم سے آگے کیوں نکل گیا۔"(۸)

بنگالیوں کی احساس محرومی کی ایک بڑی وجہ آبادی میں کثرت کے باوجود ملکی وسائل اور سرکاری ملازمتوں میں مناسب نمائندگی سے محرومی تھی۔ ابتدا سے اختیار واقتدار کا محور مغربی پاکستان رہا۔ سول اور فوجی ملازمتوں میں اقلیت کے باعث مرکز کے علاوہ صوبہ بنگال میں اہم عہدوں پر مغربی پاکستانیوں کی تعیناتی اور مارشل لاء کے نفاذ کو بنگالی بھائی اپنا استحصال اور دانستہ طور پر اقتدار سے دور رکھنے کی سازش خیال کرکے محسوس کرنے لگے:

"وہ انگریز کی غلامی سے نکل کر مغربی پاکستان کی فوج کی غلامی میں آگئے ہیں۔ اس غلامی سے نجات کی خواہش لوگوں کے ذہنوں میں پروان چڑھنا شروع ہوگئیں۔"(۹)

بدقسمتی سے مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے بعض حکام اور سرکاری اہل کاروں کے توہین آمیز سلوک اور نامناسب رویوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ان کا اہانت آمیز سلوک ملک کے دونوں حصوں میں بُعد اور بُغض میں اضافے کا سبب بنا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر شفیق اپنے ایک بنگالی دوست کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مارشل لاء حکومت سرکاری ملازمین کو عوامی لیگ کے جلسے جلوسوں میں شرکت نہ کرنے کی تاکید کرتی جبکہ مکتی باہینی کے جتھے ہمیں شرکت پر مجبور کرتے۔ مغربی پاکستان کا ایک فوجی کپتان جو ہمارے گھر

آ کر مجھے بھائی اور میری بیوی کو بھابھی کہا کرتے، ایک دن میرے دفتر آئے اور بغیر دعا سلام کے بڑے تحکمانہ لہجے میں ایسی کسی ہڑتال یا جلسے میں شرکت نہ کرنے کا فرمان جاری کیا۔ میں نے بھائی سمجھ کر اپنی مجبوری بتانے کی کوشش کی تو اس نے:

"میرے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ بکو مت اگر تم نے حکم عدولی کی تو تمہیں اور تمہارے خاندان کو ختم کر دیا جائے گا۔"(۱۰)

ملک کے مغربی حصے سے بنگال جانے والے بیشتر سرکاری افسر شاہانہ طرز عمل اپنا کر خود کو حاکم اور وہاں کے عوام کو محکوم تصور کرتے۔ عام لوگوں کی ان تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔ ڈاکٹر صفدر محمود ملک کے دونوں حصوں میں نفرتوں کی خلیج بڑھانے میں ان افسروں کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مشرقی پاکستان میں متعین کیے جانے والے مغربی پاکستانی افسر بھی دونوں صوبوں کے درمیان دوری میں اضافے کا باعث بنے۔ مقامی آبادی سے ان کا رویہ مغائرت پر مبنی تھا اور اس امر کی غمازی کرتا تھا جیسے بنگالی ان کے ہم وطن ہونے کے بجائے کسی دوسری قوم کے باشندے ہوں۔"(۱۱)

آزادی کے بعد پاکستان کا انتخاب کرنے والے اعلیٰ سول افسروں میں محض ایک دو کا تعلق بنگال سے تھا۔ مجبوراً مغربی پاکستان سے بڑی تعداد میں سرکاری افسر وہاں تعینات کیے گئے۔ شروع دن سے مشرقی پاکستان والے ان کی من مانیوں، جابرانہ روئیوں اور حاکمانہ طرز عمل سے نالاں تھے اور انگریز سے آزادی کے باوجود خود کو غلام متصور کرتے۔ سول اور فوجی افسروں کی بنگالی بھائیوں سے اہانت آمیز روئیوں پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے گوہر ایوب لکھتے ہیں:

"ان افسروں کا طرز عمل اور رویہ بنگالیوں کے ساتھ تحکمانہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض افسروں کا رویہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں سے بھی بدتر ہوتا تھا۔ مشرقی پاکستان والوں کو حقارت سے بنگالی بابو کہا جاتا تھا۔"(۱۲)

قیام پاکستان کے بعد ایک قوم کے تصور کو فروغ نہ ملنا اور قومی مفاد کے بجائے ذاتی مفاد کو ترجیح دینا ایک بڑا المیہ اور تلخ تاریخی حقیقت ہے۔ آزادی کے بعد بنگالیوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ بعض حضرات تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقسیم کے وقت کچھ لیڈر صوبہ بنگال کو پاکستان کا حصہ بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ بعد میں بھی بنگال سے چھٹکارا پانے کی دانستہ کوششیں ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر شفیق کے مطابق بنگالی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری ہاشم صاحب نے پاکستان کا حصہ بننے سے انکار کر کے بنگال اور آسام پر مشتمل ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ گوروں سے آزادی کے بعد بھوروں کا غلام بننا ہمیں قبول نہیں۔ صوفی جمعہ خان کے خیال میں مغربی پاکستانیوں نے بھی بنگالیوں کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کی دہلیز پر قائداعظم اور لیاقت علی خان سمیت کئی مسلم لیگی لیڈروں نے حسین شہید سہروردی اور بنگالی کانگرس کے رہنما سرت بوس کی ہم نوائی میں ایک جداگانہ بنگال کے حق میں رائے دی تھی۔ انگریز بھی اس پر متفق ہو چکے تھے لیکن:

"مرکزی کانگریس نے اس کی مخالفت کی اور وہ نہ مانے۔ میں سمجھتا ہوں بھٹو اور جنرل یحیٰ کا عوامی لیگ کو اقتدار منتقل نہ کرنا اسی سازش کی منطقی کڑی تھی۔"(۱۳)

وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایوب دور کے آخری ایام میں گول میز کانفرنس کی ناکامی کو دیکھتے ہوئے ایوب خان نے ولی خان کو کہا تھا کہ اگر تم لوگ پاکستان پر حکومت کرنا چاہتے ہو تو مشرقی پاکستان سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ صوفی کے تجزیہ کے مطابق یہ اس بات

کا واضح ثبوت ون یونٹ کا قیام، فوج، بیوروکریسی اور سرمایہ داروں جاگیرداروں کے گٹھ جوڑ سے بنگالیوں کو اقتدار سے محروم رکھنا ہے۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کا اصل عمل اس وقت شروع ہوا جب ایوب خان نے اپنے ہی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اقتدار قومی اسمبلی کے بنگالی سپیکر عبدالجبار کو منتقل کرنے کے بجائے یحیٰ خان کے سپرد کیا۔ اس سے بنگالی مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر پھیل گئی۔ بقول ڈاکٹر ظہور احمد اعوان:

> "جنرل ایوب نے بنگالی عوام کے ساتھ ایک اور ناانصافی کر کے اقتدار مغربی پاکستان کے ہی ایک جرنیل کے سپرد کر دیا۔ اس سے بنگالی مسلمانوں کا بپھر جانا لازمی تھا۔ وہ پہلے ہی مغربی پاکستان اور خاص طور پر پنجاب کے سیاستدانوں، وڈیروں، جاگیرداروں سے نالاں تھے۔ ان کے خیال میں مشرقی پاکستان کی ساری دولت اور اس کی پٹ سن سے کمایا جانے والا سارا سرمایہ مغربی پاکستان کی ترقی اور فوج کے اسلحہ پر صرف کیا جا رہا تھا اور یہ بات بڑی حد تک درست بھی تھی۔"(۱۴)

اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انڈیا سمیت پاکستان دشمن قوتوں نے بنگالیوں کی احساس محرومی کو نفرت میں بدل دیا اور قیام کے چند سال کے اندر اندر مملکت خداداد دولخت ہو گئی۔ سقوط ڈھاکہ کے اسباب وعوامل میں جغرافیائی دوری اور سیاسی، سماجی، ثقافتی اور لسانی اختلافات کے ساتھ ساتھ ذاتی مفاد کی ترجیح، دشمنوں کی سازشوں اور اپنوں کی حماقتوں کے عمل دخل سے انکار ممکن نہیں۔ رہی سہی کسر یحیٰ خان، بھٹو اور شیخ مجیب کی ہٹ دھرمی اور اقتدار کی ہوس نے پوری کی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان سے شیخ مجیب اور مغربی پاکستان میں بھٹو بطور لیڈر ابھرے تاہم انتقال اقتدار میں دانستہ تاخیر قومی اتحاد کی تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ بظاہر دونوں لیڈروں سے مذاکرات کا ڈھونگ رچانے والے یحیٰ خان درپردہ اپنی کرسی بچانے کے فکر میں تھے۔ گوہر ایوب خان "ایوان اقتدار کے صفحہ نمبر ۱۴۶ پر رقم طراز ہیں کہ یحیٰ خان ملک کے صدر رہنا چاہتے تھے، بھٹو دو وزرائے اعظم کا مطالبہ کر رہے تھے جبکہ اکثریتی پارٹی ہونے کے ناطے شیخ مجیب اسمبلی اجلاس جلد از جلد بلانے اور کرسئ اقتدار سنبھالنے کی تگ ودو میں تھے۔ کنور انتظار محمد خان کے خیال میں:

> "مجیب بھی اقتدار چاہتا تھا اور بھٹو بھی۔ لیکن دونوں ایک ملک میں بیک وقت حصہ دار بن کر اقتدار میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ دونوں مکمل سربراہ مملکت بننا چاہتے تھے۔"(۱۵)

اس وقت ملکی سالمیت اور قومی مفاد کے بجائے ہر کوئی ذاتی مفاد کا متلاشی تھا۔ ارباب اقتدار کی نااہلی اور عوامی مینڈیٹ سے چشم پوشی نے شیخ مجیب کو ہیرو بننے کا موقع فراہم کیا اور رفتہ رفتہ ان کی من مانیاں اور مطالبات بڑھنے لگے۔ یحیٰ خان بھی شیخ مجیب کی شہرت اور بنگالی عوام کے جذبات کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ وہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے میں لیت ولعل سے کام لیتے رہے۔ ڈاکٹر شفیق اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "انتخابات ہوئے لیکن اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے فوجی حکمران اور مغربی پاکستان کے سیاست دانوں کی اکثریت نے اقتدار عوامی لیگ کو نہ دیا جو کہ ان کا حق بنتا تھا۔ اس انکار میں ذوالفقار علی بھٹو بھی بہت حد تک شامل تھے البتہ وہ مجیب الرحمان کے ساتھ سیاسی سودا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"(۱۶)

بھٹو سمیت مغربی پاکستان کا حکمران طبقہ شیخ مجیب کے چھے نکات کو پاکستان توڑنے کا منصوبہ قرار دیتے تھے۔ یحیٰ خان نے ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا تو بھٹو نے اعلان کیا کہ مغربی پاکستان کا جو منتخب نمائندہ ڈھاکہ جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ کنور انتظار محمد خان کے مطابق بھٹو اسمبلی اجلاس سے پہلے اقتدار میں شراکت کے خواہاں تھے۔ لاہور کے منٹو پارک میں حکمرانوں کو چیلنج کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر پیپل پارٹی کا ایک رکن بھی اسمبلی اجلاس میں شرکت کے لیے ڈھاکہ گیا تو ہم اس کی ہڈیاں توڑ دیں گے۔ اس بابت زاہد حسین انجم کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> "۱۳ فروری ۱۹۷۱ کو صدر مملکت نے ڈھاکا میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا اعلان کیا تو مسٹر بھٹو نے ۲۸ فروری کو کہا کہ جو شخص قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے کیلئے ڈھاکا جائے گا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ جو لوگ ڈھاکا جا رہے ہیں وہ یکطرفہ ٹکٹ لے کر جائیں اور واپسی کا ٹکٹ نہ لیں۔" (۱۷)

حالات تباہی کے دہانے پر پہنچ گئے تو حکمرانوں کو ہوش آیا لیکن اب کافی دیر ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر شفیق کے مطابق اب بھٹو شیخ مجیب سے سیاسی سودا کرنے کی کوشش کر رہے تھے:

> "صرف ایک شرط تھی کہ بننے والی حکومت میں ان کو بھی ایک اہم عہدہ دیا جائے اور ان کی پارٹی کو بھی حکومت میں حصہ دیا جائے مگر مجیب الرحمان ٹس سے مس ہونے کا نام نہیں لیتے تھے۔" (۱۸)

گوہر ایوب کے خیال میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے قبل حکومت اور اس کی ایجنسیاں حالات کا صحیح ادراک نہ کر سکیں۔ نومبر ۱۹۷۰ میں آنے والے خوف ناک سمندری طوفان نے مشرقی پاکستان کے جنوبی حصے میں زبردست تباہی مچا دی۔ مصیبت کی اس گھڑی میں مغربی پاکستان کے کسی اعلیٰ افسر یا سیاست دان کو اپنے بھائیوں سے اظہار ہمدردی کے لیے ڈھاکہ جانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بقول محمد مجاہد فاروق:

> "افسوس کہ ایسے نازک وقت میں مغربی پاکستان کے لیڈروں کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ مشرقی پاکستان کے آفت زدہ علاقوں کا دورہ کرتے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو مغربی پاکستان کے سیاسی لیڈروں کی اس بے اعتنائی و لاپرواہی پر زہر اگلنے کا اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔" (۱۹)

یحیٰ خان بھی ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان بڑھتی خلیج کو کم کرنے کے اس نادر موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ لارنس زیرنگ کے مطابق مصیبت کی اس گھڑی میں یحیٰ خان چین کے سرکاری دورے سے واپسی پر کچھ وقت کے لیے ڈھاکہ بھی رکے تاہم اس قدرتی آفت کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانے اور مصیبت زدہ عوام کی ڈھارس بندھانے کے بجائے وہ جلد ہی اسلام آباد روانہ ہوئے۔ (۲۰) ماضی کی محرومیوں کے علاوہ اس نئی صورت حال نے عوامی لیگ اور شیخ مجیب کی شہرت اور حمایت میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ ادھر یحیٰ خان اور بھٹو ڈبل گیم کھیل رہے تھے۔ بظاہر بھٹو اپنی تقریروں میں یحیٰ پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کیا کرتے تھے:

> "ہمیشہ یحیٰ خان سے صلح جویانہ تعلق رکھا (شائد یہ ہم پیالہ ہونے کا اثر تھا) دوسری طرف بھٹو بھی ڈبل گیم کھیلتا رہا۔ درحقیقت دونوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی ضرورت

تھی۔ بھٹو کو مجیب الرحمان کی مخالفت کے لئے فوج کی سپورٹ درکار تھا اور جنرل یحیٰ خان کو صدر بننے کے لئے بھٹو کی حمایت درکار تھی۔"(۲۱)

گوہر ایوب آگے لکھتے ہیں کہ عوامی لیگ کی اکثریت کے باوجود بھٹو نے ملک میں دو وزیر اعظم بنانے کا مطالبہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ شیخ مجیب اگر مغربی پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی مدد سے حکومت بنانے اور ہمیں اپوزیشن میں بٹھانے کا سوچتے ہیں تو مجھے یہ ہرگز قبول نہیں۔ معاملے کے تصفیے کے لیے کئی اجلاس بلائے گئے جو بے نتیجہ رہے کیونکہ فریقین کسی آئینی حل کے بجائے اپنے مقاصد کی جنگ لڑ رہے تھے۔ مفادات کی اس کشاکش میں جس قدر انتقال اقتدار کا سلسلہ طویل ہوتا گیا اس قدر دونوں صوبوں کے درمیان نفرت اور کشیدگی بڑھتی گئی۔ اس صورت حال سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے عوامی لیگ صوبائی عصبیت کو ہوا دیتی رہی۔ بنگال میں قوم پرستی کی لہر تیزی سے پھیل رہی تھی اور عوامی حلقوں کے علاوہ فوجی اور سرکاری طبقے بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے تھے۔

ملک کے مشرقی حصے میں طوائف الملوکی زوروں پر تھی۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں باقاعدہ خانہ جنگی شروع ہوئی جس کے رد عمل میں پاک فوج نے آپریشن سرچ لائٹ کا آغاز کیا۔ اس دوران بنگال میں فوجی مظالم کو بنیاد بنا کر بھارت نے پاکستان کے لیے فضائی راستے بند کر دیے جس سے فوجی اور دیگر ساز و سامان مشرقی پاکستان پہنچانے میں شدید دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ ملٹری ایکشن کے بعد لاکھوں بنگالی پناہ گزینوں کی شکل میں بھارت چلے گئے جہاں بھارتی فوج نے ہزاروں افراد کو جنگی تربیت اور اسلحہ فراہم کر کے مکتی باہنی کی صورت میں پاکستانی فوج کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا۔ جلد ہی ان متشدد بنگالیوں کے علاوہ ریگولر انڈین آرمی کے اہلکاروں نے مکتی باہنی کی چھتری تلے پاک فوج کے خلاف گوریلا کارروائیاں شروع کیں۔ عاشور خان کے خیال میں انڈین آرمی کے لوگ بھیس بدل کر مکتی باہنی کا ساتھ دے رہے تھے۔ محمد مجاہد فاروق "حکومت اور سیاست" ص ۱۷۱ پر لکھتے ہیں کہ حکومت کے عام معافی کے اعلان کی وجہ سے بنگال کے باغی عناصر سمیت ہندوستانی فوج کے بے وردی سپاہیوں کو مشرقی پاکستان میں داخل ہونے کا سنہرا موقع ہاتھ آیا۔ جس سے ملک کے اس حصے میں انتشار اور افراتفری کا دور دورہ شروع ہوا۔ اس سلسلے میں اے۔ حمید لکھتے ہیں:

> "مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کے ہندو بنگالیوں کی کارروائیاں پورے عروج پر تھیں۔ بھارت نے اپنے ہندو فوجی گوریلے بنگالی مہاجرین کے روپ میں ہزاروں کی تعداد میں مشرقی پاکستان میں داخل کر دیئے تھے جو ملک کے چپے چپے میں سہلٹ سے لے کر چٹاگانگ تک پاک فوج کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف تھے۔"(۲۲)

اس دوران مغربی حصے سے تعلق رکھنے والوں سمیت نہتے بہاریوں کے قتل عام میں ظلم و بربریت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے گئے۔ اس کے رد عمل میں فوجی کارروائی میں شدت فطری بات تھی۔ بقول میجر جنرل (ر) عاشور خان:

> "یہ وحشت ناک مناظر دیکھ کر فوجی سپاہیوں اور پاک فوج نوجوان افسروں نے بنگالیوں کے بارے میں بری بری رائے قائم کر لی تھی اور ان میں انتقامی جذبہ ابھرنا ایک فطری امر تھا۔ اس رد عمل کے زیر اثر شاید ایسے معصوم بنگالی بھی مارے گئے ہوں گے جن پر بنگالی دہشت گرد کا شبہ گزرا لیکن ان کی تعداد کا موازنہ مارے جانے والے بہاریوں اور مغربی پاکستانیوں سے کیا جائے تو یہ بہت قلیل تعداد میں ہوں گے۔"(۲۳)

ایک طرف مکتی باہینی والے نہتے افراد کے قتل عام سے ظلم و ستم کی نئی داستانیں رقم کر رہی تھیں تو دوسری طرف فوج کے بے پناہ مظالم کے چرچے عام تھے۔ نثار عزیز بٹ کے مطابق پاک فوج کے مظالم کی دل دہلا دینے والی کہانیاں چار دانگ عالم مشہور ہو رہی تھیں۔ میجر جنرل (ر) عاشور خان بطور چشم دید گواہ لکھتے ہیں کہ شہروں کو شر پسندوں سے پاک کرتے ہوئے پاک فوج کی طرف سے کچھ نامناسب کارروائیاں بھی ہوئی۔ بعض مقامات پر بنگالیوں کی بند دکانوں سے سامان اٹھایا گیا۔ ایک سینئر فیلڈ آفیسر ایک بینک سے بھاری رقم لوٹنے کا مرتکب ہوا۔ چند فوجیوں نے سناروں کی دکانیں توڑ ڈالیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے سوٹ کیسوں میں مختلف نوعیت کی چیزیں جمع کر رکھی تھیں۔ (۲۴) عالمی میڈیا پاکستانی فوج کے مظالم بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا۔ عالمی رائے عامہ کا پاکستان کے خلاف ہو جانا قیام بنگلہ دیش کے لیے بنیادی وجوہات میں سے ایک ہے۔ حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت پاکستان کو بدنام کر کے عالمی طور پر تنہا کرنے اور عالمی رائے عامہ کو بنگال کی خود مختاری پر ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوا۔ پاکستان کے خلاف بلاشبہ یہ بھارت کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس کا تجزیہ کرتے ہوئے نثار عزیز بٹ لکھتی ہیں:

> "پاکستانی فوج کے دل دہلا دینے والی کہانیاں چار دانگ عالم میں مشہور ہونے لگیں۔ بنگالی سرحد پار کر کے انڈیا میں پناہ لینے چلے گئے۔ اندرا گاندھی نے سارے بڑے ممالک کا دورہ کر کے ان سے کہا کہ وہ بنگالی پناہ گزینوں کی وجہ سے سخت دباؤ میں ہیں۔ پورا عالمی پریس پاکستان کے خلاف ہو گیا اور کھلم کھلا مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علیٰحدگی کی حمایت کرنے لگا۔" (۲۵)

خانہ جنگی اور فوجی آپریشن کے دوران دونوں طرف سے ظلم و بربریت کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ اس پورے تنازعے کے دوران مارشل لاء حکومت اور سرکاری افسران کا کردار افسوس ناک رہا۔ حکمران ہوش کے بجائے جوش سے کام لے کر حالات کنٹرول کرنے کے بجائے مزید الجھا رہے تھے۔ گوہر ایوب کے مطابق اس وقت فوجی قیادت ہوش مندی کے بجائے شراب و شباب کے نشے میں فیصلے کر رہی تھی۔ عاشور خان عینی شاہد کی حیثیت سے حالات کا جائزہ کچھ یوں پیش کرتے ہیں:

> "مغربی پاکستان میں ہماری فوجی قیادت میں وژن کی کمی تھی اور ان میں ساز گار حالات پیدا کرنے کی دلچسپی اور صلاحیت موجود نہیں تھی۔ یہ قیادت حقائق سے آنکھیں چرائے بے حس بیٹھی رہی۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ بیکار کی سرگرمیاں تھیں جن سے مفت میں خون کی ندیاں بہائی جا رہی تھی اور دکھوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہماری اعلیٰ قیادت بزدل یا غدار کہلائے جانے سے خوفزدہ تھی جس کے نتیجے میں آخر کار ہمارے حصے میں ذلت و رسوائی آئی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے ایک مسلمان لشکر کو تاریخ میں ہتھیار ڈالنے کی ایک بہت بڑی ذلت کا شکار ہوتے دیکھا۔" (۲۶)

بھارت شروع دن سے پاکستان کے خلاف کسی فیصلہ کن اقدام کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور اس مقصد کے لیے بھرپور تیاری کر رہا تھا۔ مشرقی پاکستان کے مخدوش حالات اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے دسمبر ۱۹۷۱ء کو باقاعدہ جنگ چھیڑ دی جو کم و بیش دو ہفتوں تک جاری رہی اور پاکستان کی شکست، فوج کے ہتھیار ڈالنے اور سقوط ڈھاکہ جیسے انجام تک پہنچی۔ سانحہ مشرقی پاکستان ہماری تاریخ کا خونچکاں باب ہے جس کی سسکی اور زخمیں ابھی تک تازہ ہیں۔ لازوال قربانیوں اور جہد مسلسل سے وجود میں آنے والے مملکت خداداد کا دولخت ہونا دشمنوں کی کامیاب کوششوں اور اپنوں کی حماقتوں کا نتیجہ ہے۔ آخری دنوں میں صوبہ بنگال میں سیکرٹری تعلیم رہنے والے مسعود مفتی اس عظیم قومی سانحے پر اپنا ماہرانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آمرانہ پاکستان میں فوجی ڈکٹیٹروں اور وڈیروں کا گٹھ جوڑ مشرقی پاکستان کی جمہوریت اور بلند بانگ اکثریت کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ اس لیے انھوں نے بہت پہلے سے مشرقی پاکستان سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھر مناسب حالات پیدا کرنے کے لیے محب وطن بنگالیوں کو نظر انداز کر کے علیٰحدگی پسند بنگالیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی اور بلآخر ہندوستان سے مصنوعی جنگ کر کے بڑی عجلت میں دانستہ ہتھیار ڈال دیے گئے تاکہ باقی ماندہ پاکستان ان کی گرفت میں رہے۔"(۲۷)

پاکستانی قوم کو شکست اور ذلت کے احساس سے دوچار کرنے والا سانحہ مشرقی پاکستان کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے حکمرانوں کی نااہلیوں، مفاد پرستی، اقتدار کی ہوس اور ملک دشمن عناصر کی سازشوں کی ایک طویل داستان ہے۔ اس سانحے نے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے پاکستانیوں کو متاثر کیا۔ ادیب چونکہ معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے اس لیے شعر و ادب کے کئی اصناف میں اس کے متعلق جذبات و احساسات الفاظ کے روپ میں ملتے ہیں۔ خیبر پختونخوا کے کئی خود نوشت نگاروں نے ان حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ ان کی آپ بیتیوں میں اس دل شکن سانحے کے اسباب و علل تلاش کرنے اور اس وقت کے بحرانی حالات کا ہر پہلو سے جائزہ لینے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں چند ایسے حقائق سامنے لائے گئے ہیں جو تاریخ کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ یہاں کی آپ بیتیوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تنازعے کی ابتدا چند معمولی اختلافات سے ہوئی جسے افہام و تفہیم سے حل کرنے کے بجائے ضد اور انا کا مسئلہ بنایا گیا جس سے دونوں بھائیوں کے درمیان نفرتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جو مسلح جنگ پر منتج ہوا۔ اس خونی جنگ میں اپنوں کے ہاتھوں لاکھوں قیمتی جانوں کے ضیاع، عصمت دری اور ظلم و ستم کے ناقابل یقین واقعات رونما ہوئے۔

خیبر پختونخوا کے ادیبوں اور اہل قلم کی آپ بیتیوں میں اس سانحے پر جو مشاہدات، تجزیات اور احساسات دستاویز کی صورت میں محفوظ ہو گئے ہیں ان کے مطالعہ سے اس واقعے پر دستیاب تاریخی اور علمی مواد کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ لوازمہ بجا طور پر اس سانحے پر متبادل اور متوازی لیکن بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان تجزیات میں جہاں یہ واضح ہے کہ مختلف شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے اہل قلم نے اس واقعہ کو قومی سانحہ گردانا ہے، وہاں ان میں پیش کردہ احساسات اور جذبات اس عوامی سوچ کی عکاسی ہے جو مغربی پاکستان کے حکمران طبقات سے بالکل مختلف ہے اور وہ مشرقی پاکستان کے ہر شہری کو اپنا بھائی اور ان پر ہونے والے مظالم کو اسی شدت سے محسوس کرتے تھے، جس کا اظہار خود مشرقی پاکستان اور پاکستان سے علیٰحدگی کے بعد بنگلہ دیش کے اہل قلم نے اپنی تحاریر میں کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد شفیق، ڈاکٹر، کچھ یادیں، کچھ سفر، پشاور، جدون پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۲ء، ص ۲۰۳

۲۔ تاج اکبر آفریدی، دلہن درخت اور دو قبریں، پشاور، ضیاء پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء، ص ۷۲

۳۔ بشیر احمد، اردو نثر پر سقوط ڈھاکہ کے اثرات، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی کالج، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۰

۴۔ عاشور خان، میجر جنرل (ر)، جہد و جستجو، (مترجم) شجاعت علی راہی، مینگورہ سوات، شعیب سنز، ۲۰۲۰ء، ص ۱۰۰

۵۔ الطاف حسین شا، سید، حدیث نامہ بر، کراچی، پوسٹ آفس فائونڈیشن پریس، ۲۰۰۹ء، ص ۸۵
۶۔ صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، لاہور، قومی پبلشرز، ۱۹۸۱ء، ص ۱۵
۷۔ محمد شفیق، ڈاکٹر، کچھ یادیں، کچھ سفر، ص ۲۰۵
۸۔ نثار عزیز بٹ، گئے دنوں کا سراغ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۳۶۱
۹۔ تقی الدین، حافظ، پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور تحریکیں، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۵۵ء، ص ۴۱۹
۱۰۔ محمد شفیق، ڈاکٹر، کچھ یادیں، کچھ سفر، ص ۲۰۰
۱۱۔ صفدر محمود، ڈاکٹر، پاکستان کیوں ٹوٹا، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء، ص ۲۷
۱۲۔ گوہر ایوب خان، ایوان اقتدار کے مشاہدات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۳۹
۱۳۔ جمعہ خان صوفی، فریب ناتمام، اسلام آباد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، ۲۰۲۰ء، ص ۱۱۶
۱۴۔ ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر، کاظم علی جوان، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۵۱۷
۱۵۔ کنور انتظار محمد خان، تاشقند سے شملہ تک، لاہور، صراط مستقیم پبلشرز، ۱۹۷۷ء، ص ۶۳
۱۶۔ محمد شفیق، ڈاکٹر، کچھ یادیں، کچھ سفر، ص ۱۹۹
۱۷۔ زاہد حسین انجم، تاریخ پاکستان، لاہور، ایور نیو بک پیلس، س ن، ص ۲۳۷
۱۸۔ محمد شفیق، ڈاکٹر، کچھ یادیں، کچھ سفر، ص ۱۹۹
۱۹۔ محمد مجاہد فاروق، حکومت اور سیاست، لاہور، نیو بک پیلس، س ن، ص ۱۶۶
20.Lawrence Ziring,Pakistan in the Twentieth Century ,Oxford :University press,1997,P:330.
۲۱۔ گوہر ایوب خان، ایوان اقتدار کے مشاہدات، ص ۱۴۵
۲۲۔ اے۔ حمید، ڈھاکہ سے فرار، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۲۰۱۷ء، ص ۱۱
۲۳۔ عاشور خان، میجر جنرل (ر)، جہد و جستجو، ص ۹۲
۲۴۔ ایضاً، ص ۹۲-۹۳
۲۵۔ نثار عزیز بٹ، گئے دنوں کا سراغ، ص ۳۶۲
۲۶۔ عاشور خان، میجر جنرل (ر)، جہد و جستجو، ص ۱۰۰-۱۰۱
۲۷۔ مسعود مفتی، "آخری ملاقات"، مشمولہ سہ ماہی معاصر، لاہور، اپریل ۲۰۰۷ء

Reference in Roman Script:

1. Mohammad shafiq, Dr, Kuch yadin kuch safar, Peshawar, Jadoon printing press, 2012,P:203
2. Taj Akbar Afridi, Dulhan Darakht awr Dow Qabrain, Peshawar, Zia Printing Prees,1999, P:72
3. Bashir Ahmad, Urdu Nasar Par Saqoot-e-Dhaka k Asaraat, mqala bra e PhD,Shuba e Urdu panjab University College,Lahore,2008, P:20

4. Ashor Khan, Maj; General(R), Jahad w Justaju, Mutarjam: Shujaat Ali Rahi, Mangora swat, Shoaib Sons, 2020,P:100
5. Altaf Hussain Shah,Syed, Hadees-e-Nama Bar, Karachi, Post Office Foundation Prees,2009,P:85
6. Siddique Salik, Mai ne Dhaka Dobtai Dikha, Lahore,Qawmi Publishers, 1981,P:15
7. Mohammad shafiq, Dr, Kuch Yadin kuch safar, Peshawar, Jadoon printing press, 2012,P:205
8. Nisar Aziz Butt, Gaye dinoon ka suragh, Lahore, Sang e meel publications,2004, P:361.
9. Taqiuddin, Hafiz, Pakistan ki siyasi jamaatin awr tehrekin, Lahore, Fiction House,1955,P:419
10. Mohammad shafiq, Dr, Kuch yadin kuch safar, Peshawar, Jadoon printing press, 2012,P:200
11. Safdar Mahmood,Dr, Pakistan kiun Toota, Lahore, Jang publishers, 1993, P:27
12. Gohar Ayub Khan, Aiwan e Iqtidar k Mushahidat, Lahore, Sang e meel publications,2007,P:39
13. Juma Khan Sofi, Farib e Natamam, Islamabad,Institute of Policy studies, 2020,P:116
14. Zahoor Ahmad Awan, Kazim Ali Jawan, Lahore, Alwaqar Publicashions, 2009, P:751
15. Kanwar Intizar Mohammad Khan,Tashqand se Shimla Tak,Lahore,Sirat e mistaqim Publishers,1977,P: 63
16. Mohammad shafiq, Dr, Kuch yadin kuch safar, Peshawar, Jadoon printing press, 2012,P:199
17. Zahid Hussain Anjam, TareeKh e Pakistan, Lahore, Ever New Book Palace, P:237
18. Mohammad shafiq, Dr, Kuch yadin kuch safar, Peshawar, Jadoon printing press, 2012,P:199
19. Mohammad mujahid Farooq, Hakoomat awr Siyasat, Lahore,New Book Palace, P:166
20. Lawrence Ziring , Pakistan in the Twentieth Century ,Oxford :University press,1997,P:330
21. Gohar Ayub Khan, Aiwan e Iqtidar k Mushahidat, Lahore, Sang e meel publications,2007,P:145
22. A-Hameed, Dhaka Se Farar, Lahore, Shikh Ghulam Ali and Sons,2017,P:11
23. Ashor Khan, Maj; General(R), Jahad –o-Justaju, Mutarjam, Shujaat Ali Rahi, Mangora swat, Shoaib Sons, 2020,P: 92
24. Ashor Khan, Maj, General(R), Jahad w Justaju, Mutarjam: Shujaat Ali Rahi, Mangora swat, Shoaib Sons, 2020,P:92-93
25. Nisar Aziz Butt, Gaye dinoon ka suragh, Lahore, Sang e meel publications,2004, P:362.
26. Ashor Khan, Maj; General(R), Jahad w Justaju, Mutarjam: Shujaat Ali Rahi, Mangora swat, Shoaib Sons, 2020,P:100-101
27. Masaud Mufti, Akhri Mulaqat, Mashmola:She Mahi Kaasir,Lahore, 2007, P:58